OPEN ACCESS: Al-Aijaz Research Journal of Islamic Studies & Humanities
ISSN (ONLINE): 2707-1219 & ISSN (PRINT): 2707-1200
http://www.arjish.com

تلازمہ اوراس کے شعری مباحث

Talamza Aor Usk Shairi Mubahis

Muhammad Ismail (Ahmar Farooqi)
M. Phil Scholar, Department of Urdu GU Dera Ghazi Khan.
Email: ahmarfaruuqii@gmail.com

Received on: 05-10-2025 Accepted on: 09-11-2025

Abstract

This is analytical study, discusses about Talaazma or association which is a sophisticated literary technique that establishes an absolute relationship among two independently existing words or states by way of their interrelationship. The interaction of these two distinct elements produces a cohesive meaning, which adds to the richness of the verse, as well as increasing the expressive power and aesthetic quality of the verse, thereby introducing both originality and grace to the style of poetry. Although the use of talaazma may involve simply pairing synonyms, the creation of an association of two or more words or of two concepts/ideas can also involve the use of contrasting or opposing states. By experimenting with different forms of associative connections, contemporary poets are continuing to redefine and revitalize both the nature of poetry and the means by which it is expressed, making it increasingly contemporary and sophisticated. This research paper explores and highlights the Talamza and relevant ideas through poetic discussions.

Keywords: Talaazma , Talaazma Kaari , Association of Ideas, Modern Poetry , Sophisticated , Poetic Technique.

انسانی عقل امکانات کی قائل ہےاور ارتقائی و توقعات کو بھی اسی حوالے سے پرکھتی ہے۔ماہرینِ نفسیات نے انسانی عقل کو بنیادی طور پر تین حصوں میں تقسیم کیا ہے۔پہلے حصے کو شعور کا نام دیا ہے۔انسان روزمرہ زندگی میں جو کچھ کرتا دکھائی دیتا ہے وہ شعور ہے۔دوسرا حصہ تحت الشعور ہے کہ انسانی زندگی کے واقعات رفتہ رفتہ ماضی کا حصہ بنتے جاتے ہیں اور انسان کے دماغ میں جہاں محفوظ ہوتے ہیں تحت الشعور کہلاتا ہے۔تیسرا حصہ لاشعور ہے۔جہاں انسان کی تشنہ خواہشات مجتمع ہوتی ہیں۔اس کے تحت یادداشتیں عمل کی صورت رونما ہوتی ہیں۔انسان کے دماغ کا یہ حصہ ازحد خطرناک ہے جس کی تقسیم لاینحل عقدہ کی طرح ہے۔کہ انسان کے لاشعور میں چیزیں بنتی اور بگڑتی رہتی ہیں۔لیکن ان کا بننا اور بگڑنا بھی عجب طرح کا ہے کہ بعض اوقات بگڑنا،بننا ہے اور بسا اوقات بننا دراصل بگڑنا ہے۔واقعات کی یہ شکست وریخت انسانی دماغ میں ہر لحظہ جاری وساری رہتی ہے۔انسانی آنکھ جب کوئی منظر دیکھتی ہے تو اس کی تصویر لاشعور میں چلی جاتی ہے اور بعض اوقات ایسا ہوتا ہے کہ اس منظر سے ملتے جلتے ہزارہا مناظر ہویدا ہو جاتے ہیں۔پس ایک چیز کے تصور سے اس سے ملتی جلتی یا اس سے متعلق چیزوں کا ذہن میں ظاہر ہونے کا عمل "تلازمہ" کہلاتا ہے۔ابوالاعجاز حفیظ صدیقی لکھتے ہیں:

"نفسِ انسانی کی یہ ایک نہایت اہم خصوصیت ہے کہ وہ کسی معمولی سی چیز کا سہارا لے کر ایک تصور، خیال، یاد، تمثال سے کسی دوسرے کا تصور، خیال، یاد، تمثال تک بہ سہولت و سرعت منتقل ہو جاتا ہے۔ نفسِ انسانی کے اس عمل کو ایتلاف، تلازمِ افکار، تلازمِ خیال، تلازمِ ذہنی جیسی اصطلاحات سے یاد کیا جاتا ہے۔ "(1)

ذہنِ انسانی جب کسی ایک تصور سے آشنا ہوتا ہے تو فوراً اس سے ملتے جلتے دیگر تصورات کی تلاش اور جانچ کا عمل شروع کر دیتا ہے۔ یہ عمل نہایت فطری ہوتا ہے، جس میں ذہن مختلف خیالات کو آپس میں جوڑ کر ان کے درمیان ربط پیدا کرتا ہے۔ یوں ایک ابتدائی خیال رفتہ رفتہ وسعت اختیار کرتا ہے اور اس کے گرد معنی کا ایک حلقہ تشکیل پانے لگتا ہے۔ مزید برآں، انسانی فکر اپنی تفہیم کو واضح اور مؤثر بنانے کے لیے ان تصورات میں سے مناسب اور ہم آہنگ خیالات کا انتخاب کرتی ہے۔ یہ منتخب تصورات ایک دوسرے کے ساتھ جڑ کر ایک منظم صورت اختیار کر لیتے ہیں، جس سے نہ صرف خیال کی گہرائی میں اضافہ ہوتا ہے بلکہ اس کا ابلاغ بھی زیادہ مؤثر ہو جاتا ہے۔ اس مرحلے پر ذہن تخلیقی انداز میں مختلف امکانات کو پرکھتا ہے اور بہترین معنوی ربط قائم کرنے کی کوشش کرتا ہے۔ چنانچہ جب یہ تمام موزوں تصورات یکجا ہو جاتے ہیں تو ابتدائی خیال کو ایک مکمل اور واضح معنی مل جاتا ہے۔ اس طرح ایک سادہ سا تصور بھی فکری ربط اور تلازم کے ذریعے ایک بھرپور اور بامعنی شکل اختیار کر لیتا ہے، جو نہ صرف سمجھنے میں آسان ہوتا ہے بلکہ قاری یا سامع پر گہرا اثر بھی چھوڑتا ہے۔ مثال کے طور پر جب "پھول" کا لفظ ذہن میں آتا ہے تو اس کے متلازم الفاظ یعنی "خوشبو"، "نزاکت"، "نفاست"، "خوبصورتی" ابتدائی تصور کے گرد گھومنے لگتے ہیں۔ اس کے ساتھ ساتھ دل میں مقیم درج بالا خصوصیات کا حامل شخص یعنی "محبوب" بھی عین اسی وقت ذہن میں گردش کرنے لگتا ہے۔ جو کہ نازک ہے، نفیس ہے، خوبصورت ہے۔ ان مختلف خیالات کے جڑنے سے ان میں ربط پیدا ہوتا ہے اور محبوب کو پھول سا یا پھول کو محبوب سا قرار دے دیا ہے۔ یہی تلازمہ یا ایتلاف ہے۔ اسے انگریزی میں Association of Ideas کہتے ہیں۔ امریکی فلسفی وین اے ڈیوس (Wayne A. Davis) لکھتے ہیں:

"Association of ideas refers to a causal relationship among ideas where one idea becomes linked with another in thought."(2)

یعنی Association of Ideas سے مراد خیالات کے درمیان ایک سببی تعلق ہے۔ جس کے تحت ایک خیال، ذہن میں دوسرے خیال سے جڑ جاتا ہے۔

عام انسان کی طرح شعرا کا دماغ بھی اشیا کے لازم ملزوم تصورات سے دوچار ہوتا ہے۔ شاعری کرتے وقت شعرا اپنے تخلیقی وجدان کا استعمال کرتے ہیں اور حیرت انگیز تصورات پیش کرتے ہیں۔ یہ سب کچھ فکر و خیال کے تلازماتی نظام کے تحت ہوتا ہے۔ شعری تلازمہ کاری میں شعرا کسی ایک خیال کو دوسرے خیال کے ساتھ جوڑ کر ان کو ایک دوسرے کے لیے لازم کر دیتے ہیں جس کا مقصد کسی مخصوص فکر یا تصور کا ابلاغ ہوتا ہے۔ بنیادی طور پر تلازمہ بذاتِ خود کوئی شعری/ادبی اصطلاح نہیں ہے۔ البتہ یہ اہم شعری تکنیک ہے۔ اسے "ایتلاف"، "مراعات

النظیر "اور "رعایت لفظی" جیسی اصطلاحات سے اخذ کیا گیا ہے۔ شعری تجربات کے اعتبار سے تلازمہ کاری نہایت اہم اور کامیاب شعری تجربہ ہے۔ جس کے ذریعے شعر میں جدت و ندرت اور تازگی پیدا کی جاتی ہے۔ تکنیکی لحاظ سے اس کی کوئی مخصوص صورت بھی نہیں جس سے کسی کا ایک سمت کا تعین کیا جاسکے۔ اس کی مختلف صورتیں ہیں۔ اور جدید شاعری میں تلازماتی نظام اتنا وسیع ہے کہ زیادہ تر تجربات تلازمے کی مختلف صورتوں میں ہی دیکھنے کو ملتے ہیں۔ سادہ لفظوں میں تلازمہ کی تعریف یوں کی جاسکتی ہے کہ: "کسی ایک لفظ کو کسی دوسرے لفظ کے لیے لازم کر دینا تلازمہ کہلاتا ہے۔" مگر اس میں شرط نہیں کہ مترادفات ہی کو ایک دوسرے کے لیے لازم کرنا ہے۔ تلازمہِ الفاظ ہو یا تلازمہِ خیال ہو ۔ یہ مترادفات کے علاوہ متضاد صورتوں میں بھی آتا ہے۔ ابو الاعجاز حفیظ صدیقی لکھتے ہیں:

"مقاربت (قربِ زمانی اور قربِ مکانی) مماثلت اور تضاد وہ تین سہارے ہیں جن سے کام لے کر نفسِ انسانی ایک کیفیتِ ذہنی سے دوسری کیفیتِ ذہنی تک منتقل ہوتا ہے۔ "(3)

انسانی ذہن کسی لفظ یا خیال کے جنم لیتے ہی اس کے تمام لازم و ملزوم تصورات و امکانات کی طرف راغب ہو جاتا ہے۔ وہ داخل اور خارج میں وقوع پذیر مقاربت، مماثلت اور تضاد کسی بھی صورت میں ہو سکتے ہیں۔ اس ضمن میں مولوی نجم الغنی رام پوری "دلالت" کی وضاحت کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"لفظ ایسے معنی پر دلالت کرے کہ نہ وہ اس معنی کے واسطے بنایا گیا ہو اور نہ وہ معنی اس لفظ کے سارے معنی کا ٹکڑا ہو۔ بلکہ یہ معنی اس کو خارج سے لازم ہو گئے ہوں۔ مثلاً انسان کا دلالت کرنا، ہنسنے والے یا لکھنے والے پر کیونکہ ہنسنا اور لکھنا انسان کی ذات میں داخل نہیں، بلکہ خارج سے ایک امر اس کو لازم ہو گیا ہے۔ اس دلالت کو "دلالت التزامی" کہتے ہیں۔"(4)

بسا اوقات تلازماتی کشمکش کے دوران ذہنِ انسانی موازنے کے مرحلے سے بھی گزرتا ہے۔ اس عمل میں انسان دو مختلف کیفیات، حالات یا عوامل کو باہم رکھ کر ان کا تقابل کرتا ہے اور اسی تقابل کے ذریعے کسی ایک واضح نتیجے یا مخصوص کیفیت تک پہنچنے کی کوشش کرتا ہے۔ یہ ذہنی عمل نہایت فطری ہے، جس کے ذریعے فکر کو وضاحت اور گہرائی حاصل ہوتی ہے، اور انسان اپنے تجربات کو زیادہ بامعنی انداز میں سمجھنے کے قابل ہوتا ہے۔

ادب، خصوصاً شاعری میں بھی یہ رجحان نمایاں طور پر نظر آتا ہے۔ شعرا اکثر اپنی داخلی کیفیات کو کسی خارجی واقعے یا منظر کے ساتھ ملا کر پیش کرتے ہیں، تاکہ خیال کی ترسیل زیادہ مؤثر ہو سکے۔ وہ باطن اور ظاہر کے اس موازنے کے ذریعے اپنے احساسات کو ایک نئی جہت دیتے ہیں، جس سے قاری نہ صرف مفہوم کو سمجھتا ہے بلکہ اس کی کیفیت کو بھی محسوس کرتا ہے۔ یوں داخلی اور خارجی عناصر کا یہ تقابل تلازمہ کی ایک نہایت عمدہ اور بلیغ صورت بن کر سامنے آتا ہے، جو شعر کی معنویت اور تاثیر کو دوچند کر دیتا ہے۔ اس ضمن میں شمیم حنفی لکھتے ہیں:

"شاعری صرف فکر یا صرف خیال یا صرف تاثر یا صرف نظریہ نہیں ہوتی۔ معنی خیز شعری تجربہ ہمیشہ کثیر الابعاد ہوتا ہے اور یہ ابعاد والیس فاؤلی کے الفاظ میں "اظہار و معنی کے باہمی عقد" سے پیدا ہوتے ہیں۔ شعر کی مکمل اور معنی خیز ہیئت متعین فکر اور منصوبہ بند نظریے کو اگر

قبول بھی کرتی ہے تو اس طرح کہ انھیں عقیدہ بنا دے۔ یہی وسیلہ ہوتا ہے ایک خارجی تصور کو خون میں جذب کرنے، بیرونی شرائط کو شخصیت کے داخلی تقاضوں سے ہم آہنگ کرنے اور تکلیقی تجربے کو ہلاکت خیز قطعیت اور بے نمک استدلال سے بچانے کا۔" (5)

جب کوئی شاعر کسی خارجی تصور کو خون میں جذب کرتا ہے یا بیرونی شرائط کو داخلی تقاضوں سے ہم آہنگ کرتا ہے تو دراصل میں وہ تلازمہ کے نہایت مؤثر تجربے سے گزر رہا ہوتا ہے۔ یہ تلازمے کی ایک نہایت دلکش اور مؤثر صورت ہے کہ شاعر خارجی عوامل کو اپنی داخلی کیفیات کے ساتھ اس خوبی سے مربوط کرتا ہے کہ دونوں ایک دوسرے کی ترجمانی کرنے لگتے ہیں۔ باہر کے مناظر، حالات اور اشیا محض پس منظر نہیں رہتے بلکہ شاعر کے باطن کی آواز بن کر ابھرتے ہیں، اور یوں شعر میں ایک گہرا معنوی ربط پیدا ہو جاتا ہے۔ڈاکٹر وزیر آغا خواجہ میر دردؔ کی غزل پر بحث کرتے ہوئے تلازمے کی ایک اور صورت سے پردہ اٹھاتے ہیں:

"دردؔ کی غزل میں تیسرا درجہ وہ ہے جہاں وہ مجاز سے حقیقت، کثرت سے وحدت اور تجسیم سے تجرید کی طرف پیش قدمی کرتا ہے۔"(6)

یہ مجاز سے حقیقت کی طرف، کثرت سے وحدت کی طرف اور تجسیم سے تجرید کی طرف سفر دراصل الفاظ اور معانی کے باہمی ربط کی ایک گہری اور بامعنی صورت ہے، جو تلازماتی تجربے کے ذریعے وجود میں آتی ہے۔اس عمل میں لفظ صرف اپنی ظاہری حد تک محدود نہیں رہتا بلکہ وہ اپنے اندر پوشیدہ معانی کی کئی پرتیں آشکار کرتا ہے، اور قاری کو ایک وسیع فکری دائرے میں داخل کر دیتا ہے جہاں ہر شے ایک دوسرے سے مربوط محسوس ہوتی ہے۔

آگے چل کر لکھتے ہیں: "گویا جزو اور کل ایک دوسرے کے روبہ رو کھڑے ہیں اور تخیل کی جڑیں جذبے میں پیوست ہو گئی ہیں۔"(7)

یہی تلازماتی نظام جزو اور کل کو ایک دوسرے کے روبہ رو کھڑا کرتا ہے۔ جس سے نہ صرف صوفیانہ تصورات کا بہترین اظہار ہوتا ہے بلکہ شعر جدید تر رنگ و آہنگ میں سامنے آتا ہے۔

اس کے علاوہ بے شمار صورتوں میں تلازماتی تجربات کیے جا رہے ہیں جن سے غزل کے نئے نئے اسالیب سامنے آ رہے ہیں۔ڈاکٹر وزیر آغا غزل کے متعلق لکھتے ہیں:

"غزل بقولِ شخصے، ایسی کافر صنفِ سخن ہے کہ ہر بار جب اس کی موت کا اعلان ہوتا ہے یا اس کی صلاحیت شک کی زد پر آتی ہے تو یہ اپنے وجود کے اثبات کے لیے ایک تازہ نکھار کے ساتھ سامنے آ جاتی ہے۔"(8)

اردو غزل ایک زندہ اور متحرک صنف ہے جو وقت کے ساتھ ارتقا پذیر رہی ہے۔ ہر دور میں اس نے نئی جہتیں سموئیں اور بدلتے حالات کے مطابق اپنے اسلوب و مزاج کو نکھارا۔ معاصر شعرا تازہ تشبیہات، استعارات اور بدیعی صنائع اور خاص طور پر جدید تلازماتی نظام کے ذریعے شعر کو ایسے انوکھے اور توانا پیرائے میں پیش کر رہے ہیں کہ غزل مکمل طور پر تازہ، مؤثر اور نکھری ہوئی سامنے آئی ہے جو کہ روایتی موضوعات اور آہنگ سے یکسر جدا ہے۔

یوں تو الطاف حسین حالی نے اردو غزل کو روایتی اسلوب سے سب سے پہلے الگ کیا۔ جب وہ غزل کو جام و مینا، گل و بلبل، رنگ و خوشبو اور

محبوب کے فرضی تصورات سے نکال کر مقصدیت کی طرف لے آئے۔ان کے معاصر اور بعد کے شعرا بھی اس ڈگر پر چلے۔یہ شعرا کسی تنظیم یا تحریک کا حصہ نہ تھے بلکہ خالصتاً فن کے ترجمان تھے۔خاص طور پر ناصر کاظمی، رئیس فروغ، ظفر اقبال، عرفان صدیقی، جمال احسانی، احمد مشتاق، منیر نیازی اور ثروت حسین کا اردو غزل کے ارتقا میں نمایاں کردار ہے۔انہوں نے غزل کو روایت سے جوڑے ضرور رکھا مگر کامیاب موضوعاتی اور تلازماتی تجربات سے اس کا رنگ ڈھنگ بدل کر رکھ دیا۔ان کا شعر اپنے اندر پوری طرح نیا تلازماتی نظام رکھتا ہے جو اپنے تمام تر لاحقے بھرپور انداز میں اپنے ساتھ لے کر آتا ہے۔پھر انہوں نے زبان کے زمینی حقائق کو اس سلیقے سے برتا کہ غزل کے لوازمات کا حصہ بنا دیا۔نئے نئے موضوعات پر بحث کر کے غزل کے تازہ اور توانا اسالیب سے روشناس کروایا۔اور معاصر شعرا کی ایک لمبی فہرست ہے جو جدید موضوعاتی اور تلازماتی تجربات سے اس عظمتِ شعری کو بتدریج آگے بڑھا رہے ہیں۔فکری تسلسل کا رد جدید غزل کا بنیادی پہلو ہے۔ چونکہ غزل کا ہر شعر الگ فکری اکائی رکھتا ہے اور فکر کا اپنا تلازماتی نظام ہوتا ہے جو استعارے، تراکیب، تشبیہات، علامتیں اور دیگر لاحقوں کا احاطہ کرتا ہے اور فکر و فن کے یہی تجربات شعر کو نیا اور اسلوبِ شعر کو جدید کرتے ہیں۔

جدید اردو غزل کے ترقیاتی سفر کا پہلا سنگ میل ''ناصر کاظمی'' ہے۔جس کی غزل اپنے سے قبل شعرا کی کھیپ سے از سر تا پا مختلف ہے۔ناصر کے یہاں ہجرت اور مشرقی پاکستان سے علیحدگی اہم ترین موضوعات کی حیثیت رکھتے ہیں۔اس ضمن میں ناصر کی شاعری پر بہت تحقیقی کام ہو چکا ہے۔لہٰذا ناصر کے اشعار کے حوالے دینا محض تکرار ہو گی۔اس لیے ہم ناصر کے معاصر یا بعد کے شعرا پر خامہ فرسائی کرنے کو ترجیح دیتے ہوئے سب سے پہلے رئیس فروغ بعد ازاں دیگر شعرا کا مختصر اذکر کرتے ہیں۔

رئیس فروغ کو اپنے عہد میں پوری طرح تسلیم نہ کیا گیا۔حالانکہ رئیس فروغ اپنا انفرادی اسلوبِ شعر رکھتا ہے۔اس کی غزل میں فکر و فن ہر دو اعتبار سے ندرت اور جدت ہے اور اس کا شعری تلازماتی نظام بہت جاندار اور توانا ہے۔

؎رات بہت ہوا چلی اور شجر بہت ڈرے

میں بھی ذرا ذرا ڈرا، پھر مجھے نیند آ گئی(9)

ہوا کے چلنے کا شور حسِ سامعہ سے تعلق رکھتا ہے اور شجر کے ڈرنے کی سراسیمہ حالت حسِ باصرہ سے تعلق رکھتی ہے۔اس شعر میں مذکورہ دونوں حسیات کی متحرک حالتیں انسانی خواہش میں انتشار آمیز فضا کی آفرینش کر رہی ہے۔جس سے شاعر کے لاشعور میں موجود خیالات کی بے ترتیبی کی مجرد صورت کو محسوس کیا جا سکتا ہے۔یہی وہ فکری تلازماتی محسنات ہیں جن کے ذریعے رئیس فروغ نے سرئیلزم کی تخلیاتی کائنات کو اشعار میں ڈھال دیا۔رئیس فروغ جدید غزل کے وہ واحد شاعر ہیں جنہوں نے ماورائے حقیقت کی سمت سفر کیا۔رئیس فروغ نے اردو غزل میں جدید اور مابعد جدید فکر اور فن ہر دو حوالوں سے اس وقت تجربات کیے جب شعرا روایتی اسلوب میں فرسودہ موضوعات کو دہرانے میں لگے تھے۔غزل کہیں کہیں اپنا ذائقہ بدل رہی تھی۔ناصر نے روایتی راستے سے انحراف کیا اور غزل کو بدلا جبکہ ناصر کے ہم عصر رئیس فروغ نے فکر کی جدت و ندرت کے ساتھ ساتھ فن کے حوالے سے بے شمار تجربات کیے اور جدید تر غزل کا ذائقہ چکھایا۔اس نے

روایتی اور معاصر شعرا سے بالکل ہٹ کر شعری اسلوب اپنایا اور بالکل نیا تلازماتی نظام متعارف کروایا۔

؎ غصے سے آ رہے ہیں ٹرک بھی لدے ہوئے

میں بھی بھرا ہوا ہوں بہت انتقام سے (10)

تلازمے کی یہ کیسی عجیب اور غیر معمولی صورت ہے جو رئیس فروغ ہی کا خاصہ ہے۔ محولہ بالا شعر میں شاعر کی اس کیفیت کا اظہار ہے جو داخل کی تمام تر کڑواہٹوں سے شکست کھانے کے بعد شاعر کو راہِ فرار دکھاتی ہے۔اپنی ذات کی کرب ناک حقیقتوں کا اس سہولت سے اظہار کرنا فکر و فن کی اعلیٰ سطح پر نمود و نمائش کا ثبوت تو ہے۔اس کے علاوہ داخلی کیفیت کو خارجی عناصر سے جوڑ کر فکر کا ابلاغ تلازمے کی انوکھی صورت کو جنم دے رہا ہے۔ رئیس فروغ نے خودکشی جیسے کرب ناک عمل کی خواہش یا اس کے اظہار کو ٹرک سے ٹکرانے جیسے خارجی عنصر سے جوڑ کر فکر کا حیرت انگیز طور پر رومانوی انداز میں ابلاغ کیا ہے۔ نیز زہر کھانے، دریا میں کودنے یا رسی سے لٹکنے جیسے روایتی اظہاریے کو ترک کر کے ٹرک سے ٹکرانے کا بیانیہ شعر کا حسن بھی ہے اور رئیس فروغ کے جدید تلازماتی نظام کا ثبوت بھی۔

رئیس فروغ نے روایتی موضوعات کو دہرانے کی بجائے نئے موضوعات کی تلاش کی ہے اور انھیں اپنی تخلیقی صلاحیت اور مابعد جدید تلازماتی تجربات سے انوکھا کر کے پیش کیا۔اس نے وصل، ہجر، پیار، نفرت جیسے عمومی موضوعات کو بھی روایتی اسلوب سے ہٹ کر بیان کیا اور آنے والوں کے لیے بے شمار نئے راستوں سے گرد ہٹائی۔ تلازمہ کاری کے حوالے سے رئیس فروغ کے یہاں تلازمۂ فکر، تلازمۂ خیال، تلازمۂ الفاظ کے علاوہ کیفیات کی تلازمہ کاری کے تجربات بھی دیکھنے کو ملتے ہیں۔

ظفر اقبال جدید اردو غزل کے نمایاں اور اہم شاعر ہیں۔انہوں نے فکر و فن ہر دو حوالوں سے کامیاب تجربات کر کے غزل کو بالکل نئے اور تازہ اسلوب سے روشناس کرایا۔انہوں نے لسانی سطح پر نئے تجربات کیے اور تلازماتی نظام کو ایک نئی وسعت دی، جس کے نتیجے میں اردو غزل کا مزاج یکسر بدل گیا۔

؎ گزر نہ جا مرے دل کے دیار سے چپ چاپ

عجیب دشت ہے یہ، اس میں خاک اڑا تو سہی (11)

یہاں ظفر اقبال نے داخلی کیفیت کو خارجی منظر سے جوڑ کر نہ صرف فکر کا ابلاغ کیا بلکہ اس کی تاثیر میں بے پناہ اضافہ کر دیا۔پہلے مصرعے میں "دل کے دیار" ایک داخلی دنیا کی علامت ہے، جو جذبات، احساسات اور محسوسات سے آباد ہے۔ شاعر مخاطب کو کہتا ہے کہ وہ اس دنیا سے خاموشی سے نہ گزرے۔ یہاں ''چپ چاپ گزرنا'' بے توجہی، لاتعلقی اور جذبات کی ناقدری کا تلازمہ اپنے ساتھ لاتا ہے۔دوسرے مصرعے میں "دشت" اور "خاک اڑانا" خارجی مناظر ہیں، مگر درحقیقت یہ داخلی ویرانی، بے چینی اور اضطراب کی نمائندگی کرتے ہیں۔ دشت کا تصور تنہائی، وسعت اور خالی پن کو ظاہر کرتا ہے، جبکہ خاک اڑانے کا عمل حرکت، ہلچل اور کسی ردِ عمل کی خواہش کو ظاہر کرتا ہے۔

؎ یہ دل برا سہی، سرِ بازار تو نہ کہہ

آخر تو اس مکان میں کچھ دن رہا بھی ہے(12)

یہاں بھی تلازمہ نہایت انوکھا، لطیف اور معنی خیز ہے۔ واردات وہی ہے، شاعر نے دل کو ایک مکان کے ساتھ جوڑ کر داخلی کیفیت کو خارجی پیکر میں ڈھال دیا ہے۔

احمد مشتاق جدید اردو غزل کا اہم مستند نام ہے۔ ان کے ہاں اشیا استعارے اور علامتیں بن کر بھی آتی ہیں مگر بسا اوقات اشیا اپنی ذاتی حیثیت اور معنویت کے ساتھ بھی نہایت خوبصورتی سے آتی ہیں۔ اور یہ احمد مشتاق ہی کا خاصہ ہے۔ ان کے ہاں جدید تلازماتی نظام ہے جو انھیں دیگر شعرا سے ممتاز کرتا ہے۔

؎ یہ لوگ ٹوٹی ہوئی کشتیوں میں سوتے ہیں

مرے مکان سے دریا دکھائی دیتا ہے(13)

اس شعر میں تلازمہ نہایت گہری سماجی اور نفسیاتی معنویت کے ساتھ سامنے آتا ہے، جہاں شاعر نے دو مختلف کیفیات اور طبقات کو باہم مربوط کر کے ایک بلیغ تاثر پیدا کیا ہے۔

پہلے مصرعے میں "ٹوٹی ہوئی کشتیوں میں سونا" ایک ایسا منظر پیش کرتا ہے جو محرومی، بے بسی اور عدمِ تحفظ کی علامت ہے۔ کشتی ویسے تو سفر اور سہارا دینے کا استعارہ ہے، مگر اس کا "ٹوٹی ہوئی" ہونا خطرے، عدم استحکام اور زندگی کی ناہمواریوں کو ظاہر کرتا ہے۔ یہاں سونا بھی سکون کی علامت نہیں بلکہ مجبوری اور حالات کے آگے بے بسی کا اظہار ہے۔

دوسرے مصرعے میں "مرے مکان سے دریا دکھائی دیتا ہے" ایک بالکل مختلف کیفیت کو پیش کرتا ہے۔ ''مکان'' استحکام، تحفظ اور آسودگی کی علامت ہے، جبکہ ''دریا'' وسعت، گہرائی اور زندگی کے بہاؤ کا استعارہ ہے۔ مگر یہاں دریا صرف ایک منظر بن کر رہ گیا ہے، جسے شاعر محفوظ فاصلے سے دیکھ رہا ہے۔ یہ تلازمہ دراصل ایک سماجی موازنہ (contrast) ہے، جس کے ذریعے شاعر طبقاتی فرق، انسانی بے حسی اور حالات کی ناہمواری کو اجاگر کرتا ہے۔ قاری اس ربط کے ذریعے نہ صرف دونوں کیفیات کو محسوس کرتا ہے بلکہ اس کے اندر ایک فکری اور جذباتی ردِ عمل بھی پیدا ہوتا ہے۔

؎ میں تجھے بھول نہ جاتا تو خزاں ہی رہتی

شاخ پر پھول تری یاد دلانے آیا(14)

اس شعر میں تلازمہ نہایت لطیف انداز میں قائم ہوا ہے۔ شاعر نے خزاں کو بھول جانے اور ویرانی کی علامت بنایا ہے، جبکہ پھول کو یاد اور تازگی سے جوڑا ہے۔ پہلے مصرعے میں اگر محبوب کی یاد نہ آتی تو دل کی کیفیت خزاں کی طرح ویران اور بے رونق رہتی۔ دوسرے مصرعے میں شاخ پر پھول کا آنا دراصل اسی یاد کے زندہ ہونے اور دل میں تازگی پیدا ہونے کی علامت ہے۔

عرفان صدیقی اپنے عہد کے اہم شعرا میں شمار ہوتے ہیں اور جدید اردو غزل کی ترقی میں ان کا نمایاں کردار ہے۔ انہوں نے فکر اور فن دونوں

میدانوں میں کامیاب تجربات کیے اور روایت سے جڑے رہتے ہوئے جدید و مابعد جدید موضوعات کو غزل میں سمویا۔انہوں نے تلازمے کے میدان میں متعدد کامیاب تجربات کیے اور اس کی نئی صورتیں متعارف کروائیں، جو جدید غزل کی تشکیل میں اہم حیثیت رکھتی ہیں۔

ڈھک گئیں پھر صندلیں شاخیں سنہری بُور سے
لڑکیاں دھانی دوپٹے سر پہ تانے آ گئیں(15)

عرفان صدیقی کے یہاں تلازمے کئی صورتوں میں دیکھنے کو ملتے ہیں۔اس حوالے سے اس کے تجربات نے جدید اور مابعد شعریت کی راہ متعارف کروائی جو معاصر شعرا ابھی اپنائے ہوئے ہیں۔صندل ایک قسم کی خوشبودار لکڑی ہے۔اس کی دو قسمیں ہیں۔یہ سرخ اور سفید کی رنگ کی ہوتی ہے اور خوشبو پیدا کرتی ہے۔جبکہ دھانی ہلکے سبز رنگ کو کہتے ہیں۔شعر میں موجود فکر اس کے تلازمہِ خیال پر قائم ہے۔ صندلیں شاخوں پر بور آگیا ہے اور اس کا تلازمہ مصرع ثانی میں :

لڑکیاں دھانی دوپٹے سر پہ تانے آ گئیں

سے باندھ کر خیالِ شعر کو دوہرا لطف عطا کیا ہے۔شاخوں پر بور آنے سے پھل لگنے کی بشارت ملتی ہے۔جو خواتین توڑتی اور اکٹھا کرتی ہیں۔ جبکہ سامنے کا مفہوم زیادہ پر لطف ہے کہ لڑکیاں اپنے سروں پر دھانی دوپٹے تانے آ گئی ہیں اور ایسے معلوم ہوتی ہیں جیسے صندلی شاخوں پر بور آگیا ہو۔تلازماتی تجربات کی بنیاد پر عرفان صدیقی جدید اردو غزل کا اہم اور نمایاں شاعر ہے۔

اس کے علاوہ اس کے ہاں اعلیٰ فکر کے ساتھ مکمل تہذیبی شعور ملتا ہے جسے یہ اپنے موضوعات کا حصہ بناتا ہے۔اس کا کمال یہ ہے کہ اعلیٰ فکر کے ساتھ فن کے بے شمار کامیاب تجربات کے ذریعے کئی نئے راستے اور نئی جہات اس نے متعارف کروائی ہیں۔فن شعر میں تکنیکی حوالے سے تلازمے کے مختلف صورتوں میں بے شمار تجربات کیے جو اردو غزل کے لیے آج بھی مشعل راہ ہیں:

میں گر گیا ہوں تو اب سینے سے اتر آؤ
دلیر دشمنو! ٹوٹے مکاں کو ڈھانا کیا(16)

عرفان صدیقی کی غزل کے کردار فطرت و کائنات اور اسکے داخل سے مکالمہ بھی کرتے نظر آتے ہیں۔وہ سماج کے رویوں سے بھی واقف اور افراد کی فطرت سے بھی آگاہ ہے۔وہ اپنی داخلی کیفیات کا اظہار بھی بھرپور تخلیقی قوت کے ذریعے جدید اور انوکھے طرز میں کرتا ہے۔ محولہ بالا شعر میں شاعر کی اعلیٰ ظرفی کا نمایاں بیانیہ پہلے مصرع میں دیکھا جاسکتا ہے کہ وہ اپنی ہار تسلیم کر رہا ہے۔مزید برآں وہ اپنے دشمنوں کو دلیر کہہ کر ان کا اعتراف کر رہا ہے۔اس میں مکمل Poetic Attitude بھی دیکھنے کو ملتا ہے کہ فقط گر جانا شاعر کے نزدیک ہار کا درجہ رکھتا ہے۔ جبکہ شعر میں منفرد تلازمہ کاری نے موضوع اور فن کو وسعت بخشی ہے۔تلازمے کی یہ صورت شاعر کا عمدہ اور پختہ تجربہ ہے کہ مصرع اولیٰ:

میں گر گیا ہوں تو اب سینے سے اتر آؤ

میں کلی طور پر شاعر کے ذاتی معاملے کا بیان ہے جبکہ مصرع ثانی میں:

دلبر دشمنو! ٹوٹے مکاں کو ڈھانا کیا

میں مکان واضح طور پر خارجی شے ہے جس کا ذاتی و داخلی کیفیت سے کوئی ربط نہیں۔ مگر تلازمے کے اس تجربے نے خیالات کو آپس میں نہ صرف باہم مربوط کیا بلکہ مکمل شعریت اور معنویت کے ساتھ فکر کا بھرپور ابلاغ کر دیا۔

ثروت حسین اپنے عہد کا اسلوب ساز شاعر ہے۔ اس نے غزل کے نئے ذائقے سے روشناس کرایا۔ اردو غزل میں سے روایت کی چھاپ کو ختم کر کے نئے مضامین اور موضوعات پر گفتگو کی اور اپنے فنی تجربات کے ذریعے غزل کا بالکل نیا اسلوب متعارف کرایا۔ اس کے اسلوبیاتی نظام میں کشش کی بنیادی وجہ اس کی طبع زاد ترکیبیں اور تلازماتی تجربات ہیں۔ تلازمے کے حوالے سے ثروت حسین نے بے شمار تجربات کیے اور موضوع کو نیا اسلوبِ شعر بخشا۔ اردو غزل کے ترقیاتی مراحل میں بلاشبہ ثروت حسین کا اہم کردار ہے۔

؎ میں نے خود کو جمع کیا پچیس برس میں

یہ سامان تو مجھ سے یکجا پھر نہیں ہوگا(17)

اس شعر میں تلازمے کی تجرباتی صورت اپنے پورے معنی اور جمالیاتی اطلاق کے ساتھ موجود ہے۔ اپنی ذات اور داخل کو سامان کے تلازماتی تجربے سے باندھ کر مضمون کا ابلاغ کیا گیا ہے۔ اپنی حسیات اور شعوری صلاحیتوں کو اپنے قابو میں رکھنے کا تلازمہ سامان کو یکجا کرنے سے باندھ کر ثروت نے تلازمے کی شاندار صورت کا کامیاب تجربہ کیا ہے۔

؎ آنکھ میں خواہشوں کے تیرتے رنگ

جھاگ میں جیسے مچھلیوں کے پر(18)

اب اس شعر میں تلازمے کی بالکل نئی اور منفرد صورت سامنے آتی ہے۔ ''خواہشوں کے تیرتے رنگ'' سے آنکھوں میں طلب اور تمناؤں کے سبب ہونے والے تغیرات جو دیکھنے والا انسان؟، تغیرات جو دیکھنے والا انسان پہچان لیتا ہے۔ دوسرا آنکھ میں خوابوں کے جھروکوں سے نکل کر آنے والی نمی ان خواہشات کا احساس دلاتی ہے۔ اس داخلی کیفیت کو ''مچھلیوں کے رنگ'' کے ساتھ تشبیہ دے کر تلازمے کا بھرپور تجربہ کیا ہے۔

معاصر شعرا کے ہاں بھی تلازمے کو نئے اور مختلف انداز میں برتنے کا رجحان نمایاں ہے۔ وہ اپنے تخلیقی شعور اور فکری وسعت کے ذریعے تلازماتی رشتوں کو نئی صورتوں میں ڈھال رہے ہیں، جس سے شعر میں تازگی اور انفرادیت پیدا ہو رہی ہے۔ یہ رجحان نہ صرف خیال کی ترسیل کو مؤثر بناتا ہے بلکہ قاری کو نئے معنوی تجربات سے بھی آشنا کرتا ہے۔ یہ جدید تلازماتی تجربات نہ صرف شعر اور اسلوبِ شعر کو دلکش اور پرکشش بنا رہے ہیں بلکہ اردو غزل کو ایک نئے رنگ و آہنگ کے ساتھ عروج کی طرف لے جا رہے ہیں۔ اس عمل کے نتیجے میں غزل اپنے روایتی آہنگ سے بالکل مختلف ہو کر سامنے آ رہی ہے۔ میں یہاں چند معاصر شعرا کے اشعار کے نمونے کے طور پر پیش کرنا ناگزیر سمجھتا

ہوں۔

شاہین عباس

؎اس دل میں مقیم ہو رہا ہوں
ہر ایک سے رابطہ رہے گا(19)

؎دل نے دیوار اٹھا دی ہے برا ہو دل کا
ایک گھر اور اسی گھر سے نکل آیا ہے(20)

ادریس بابر

؎اب تو لگتا ہے جدائی کا سبب کچھ بھی نہ تھا
آدمی بھول بھی جاتا ہے نہ رستا مرے دوست(21)

؎دریا تھا یہ دشت مانتے ہو
یہ شخص وہ شخص مان لو تھا(22)

شاہد ذکی

؎آرزو ترک نہ کرتا تو یہ گھر کٹ جاتا
میں اگر شاخ بچاتا تو شجر کٹ جاتا(23)

؎تجھ کو اس دل کی سمجھ آئے گی آتے آتے
اجنبی شخص پہ تاخیر سے گھر کھلتا ہے(24)

اظہر فراغ

؎بھینٹ چڑھے تم عجلت کی
پیڑ سے کچے اتر گئے(25)

؎تم اپنے کرب کا اظہار کر بھی سکتی ہو
پیاز کاٹ کے یہ وقت کٹ بھی سکتا ہے(26)

آلِ عمر

؎میرا ٹوٹا ہوا دل پھر سے نہیں جڑ پایا
مصرع بے بحر ہو تو کس سے گرہ لگتی ہے(27)

؎ شکریہ سردر کھا آپ نے لہجہ ورنہ
گرمی کٹتی نہیں ملتان کی آسانی سے(28)

حوالہ جات:

1. حفیظ صدیقی،ابوالاعجاز،کشاف تنقیدی اصطلاحات،اسلام آباد:،مقتدرہ قومی زبان،سن1985ء،ص:19
2. Davis, Wayne A. Meaning, Expression and Thought, Cambridge University Press, 2009.
3. حفیظ صدیقی،ابوالاعجاز،کشاف تنقیدی اصطلاحات،اسلام آباد:،مقتدرہ قومی زبان،سن1985ء،ص:19
4. نجم الغنی رامپوری،مولوی،بحرالفصاحت،مرتبہ:سید قدرت نقوی،لاہور:مجلس ترقی ادب،س ن،ص:16
5. شمیم حنفی،جدیدیت اور نئی شاعری،لاہور:سنگِ میل پبلی کیشنز،سن2008ء،ص:494
6. وزیر آغا،ڈاکٹر،نئے مقالات،لاہور:جمہوری پبلیکیشنز،سن2012ء،ص ن
7. ایضاً
8. وزیر آغا،ڈاکٹر،نئے مقالات،لاہور:جمہوری پبلیکیشنز،سن2012ء،ص:88
9. رئیس فروغ،رات بہت ہوا چلی،کراچی:طارق رئیس فروغ پبلشرز،سن2016ء،ص:182
10. ایضاً،ص ن
11. ظفر اقبال،آبِ رواں،لاہور:جمہوری پبلیکیشنز،سن2011ء،ص:85
12. ایضاً،ص:157
13. احمد مشتاق،کلیاتِ احمد مشتاق،لاہور:سنگِ میل پبلی کیشنز،سن2009ء،ص:91
14. ایضاً،ص:105
15. عرفان صدیقی،موجِ دریا،مرتبہ:سعداللہ شاہ،لاہور:خزینہ علم وادب،س ن،ص:18
16. ایضاً،ص:32
17. ثروت حسین،آدھے سیارے پر،لاہور:اردو آرٹ پریس،سن1987ء،ص:96
18. ایضاً،ص:102
19. شاہین عباس،وابستہ،لاہور:کاغذی پیرہن،سن2002ء،ص:33
20. ایضاً،ص:112
21. ادریس بابر،یونہی،لاہور:کاروان بک ہاؤس،س ن،ص:12
22. ایضاً،ص:69
23. شاہد ذکی،دھنک دھوئیں سے اٹھی،لاہور:کولاج پبلشرز،سن2018ء،ص:53

24. شاہد ذکی، سفال میں آگ، فیصل آباد: ہم خیال پبلشرز، سن2006ء، ص ن
25. اظہر فراغ، ازالہ، راول پنڈی: رمیل ہاؤس آف پبلی کیشنز، سن2017ء، ص:17
26. ایضاً، ص:49
27. آلِ عمر، پیوند، ملتان: سخن سرائے پبلی کیشنز، سن2022ء، ص:31
28. ایضاً، ص:42

References

1. Hafeez Siddiqui, Abu-ul-Ijaz, Kashf of Critical Terms, Islamabad,: Moqtadra Qaumi Zaban, 1985, p. 19
2. Davis, Wayne A. Meaning, Expression and Thought, Cambridge University Press, 2009.
3. Hafeez Siddiqui, Abu-ul-Ijaz, Kashf of Critical Terms, Islamabad,: Moqtadra Qaumi Zaban, 1985, p. 19
4. Najam Al-Ghani Rampuri, Maulvi, Bahr al-Fasahat, by Syed Qudrat Naqvi, Lahore: Majlis Tarqi Adab, 2008, p. 16
5. Shamim Hanafi, Modernity and New Poetry, Lahore: Sang-e-Meel Publications, 2008, p. 494
6. Wazir Agha, Dr., New Articles, Lahore: Jamhoori Publications, 2012, p. 7. Also
8. Wazir Agha, Dr., New Articles, Lahore: Jamhoori Publications, 2012, p. 2012, p. 88
9. Raees Farogh, Raat Beht Hawa Chali, Karachi: Tariq Raees Farogh Publishers, 2016, p. 182
10. Ibid., p. n
11. Zafar Iqbal, Aab-e-Ali, Lahore: Jamhoori Publications, 2011, p. 85
12. Ibid., p. 157
13. Ahmed Mushtaq, Kulyat-e-Ahmad Mushtaq, Lahore: Sang-e-Mil Publications, 2009, p. 91
14. Ibid., p. 105
15. Irfan Siddiqui, Moj-e-Darya, Barat: Saadullah Shah, Lahore: Khazina Ilm-e-Adab, 2016, p. 32
17. Sarwat Hussain, Aadheed Saatheer Par, Lahore: Urdu Art Press, 1987, p. 96
18. Ibid., p. 102
19. Shaheen Abbas, Associated, Lahore: Qajar Pirhan, 2002, p. 33
20. Ibid, p. 112
21. Idrees Babar, Yunhi, Lahore: Karwan Book House, 2002, p. 12
22. Ibid, p. 69
23. Shahid Zaki, Dhanak Dhooyan Se Uthi, Lahore: Collage Publishers, 2018, p. 53
24. Shahid Zaki, Safal Mein Aag, Faisalabad: Hum Khyal Publishers, 2006, p. 25. Azhar Farag, Azala, Rawalpindi: Rameel House of Publications, 2017, p. 17
26. Ibid, p. 49
27. Aale-e-Umar, Peywand, Multan: Sokhan Sarai Publications, 2022, p. 31
28. Ibid, P: 42